راشد انور راشد

بلونت سنگھ کا ایک یادگار ناول

Mir Zaheer Abass Rustmani
03072128068

ہرے بھرے کھیتوں کا سلسلہ۔۔۔ خوشگوار آب و ہوا میں اٹھکیلیاں کرتی ہوئی زندگی۔۔۔ چنچل اور شوخ کنواریوں کا جوبن۔۔۔ حسیناؤں کے نقرئی قہقہے۔۔۔ خوشی خوشی اپنے کھیتوں کی جانب جاتے ہوئے کسان۔۔۔ نئی امنگوں سے سرشار نوجوانوں کی ٹولی۔۔۔ پنجاب کے گاؤں کا ذکر آتے ہی تصور میں رنگین خیالوں کے سلسلے شروع ہو جاتے ہیں اور سیلاب دل کا معاملہ تمام تر دیواروں کو روندتا ہوا کناروں سے نکلنے کے لئے بے تاب دکھائی دیتا ہے۔۔۔

پنجاب کے گاؤں کا ذکر آتے ہی اس فن کار کی یاد بھی تازہ ہو جاتی ہے جس نے زندگی کا اچھا خاصہ وقت پنجاب سے باہر گزارا لیکن جیسے ہر پل وہ پنجاب کی فضاؤں میں ہی سانس لیتا رہا۔ پنجاب ہر لمحہ جیسے اس کے ذہن میں آباد تھا اور بچپن کی سہانی یادیں وقت گزرنے کے باوجود کبھی دھندلی نہیں ہو پاتی تھیں وہی یادیں آخری وقت تک اس کی تحریروں میں زندگی کا جادو جگاتی رہیں لیکن جس کے ساتھ زمانے نے انصاف نہیں کیا۔ بلونت سنگھ جنہوں نے زندگی کا بیشتر وقت تخلیقی سفر میں صرف کیا۔ کم و بیش چالیس کتابیں ان کے جادوئی قلم سے وجود میں آئیں لیکن ان کے تئیں ہمعصر تنقید کا رویہ کبھی مخلصانہ نہیں رہا۔ آج بھی اس انوکھے ادیب کے حوالے سے گفتگو کی فضا ہموار نہیں ہو پاتی ہے۔ عام طور پر تخلیق کار کا سماجی رتبہ، اس کی انفرادی شناخت کے استحکام میں معاون ثابت ہوتا ہے۔ اس کا منصب کئی لحاظ سے اس کے ادبی مرتبے میں اضافے کا باعث ہوتا ہے۔ لیکن بلونت سنگھ کے ساتھ ایسا کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ کسی اہم منصب پر فائز نہ تھے۔ پیسے کی ہمیشہ تنگی رہی۔ لیکن اس جانب انہوں نے کبھی سنجیدگی سے توجہ نہیں دی اور نت نئے مسائل کا سامنا کرتے ہوئے زندگی کے شب و روز بسر کرتے رہے۔ قدم قدم پر انہیں مصائب سے دوچار ہونا پڑا

لیکن انہوں نے ہمت نہیں ہاری اور بڑے حوصلہ کے ساتھ زندگی کا مقابلہ کرنے میں جٹے رہے۔ بلونت سنگھ نے غضب کا مزاج پایا تھا دکھوں کے جھیلتے ہوئے بھی ان کے چہرے پر کبھی پژمردگی کے آثار دکھائی نہیں دیے۔ وہ نہایت بذلہ سنج، خوش مزاج، اور خوش باش شخص واقع ہوئے تھے۔ صحیح معنوں میں وہ اپنی ذات میں اک انجمن تھے۔ تنہائی سے انہیں خاص لگاؤ تھا۔ بھیڑ سے وہ حتی الامکان گریز کرتے اور زیادہ تر وقت وہ اپنی بازیافت میں گزارتے۔ اپنی تلاش میں انہیں حد درجہ سکون ملتا کیوں کہ اس بہانے سے انسان کے باطن تک ان کی رسائی ہو جاتی اور تہہ در تہہ کے باطنی رشتے نئے سیاق و سباق میں سامنے آتے۔

بلونت سنگھ کے قلم میں بڑی روانی تھی عام زندگی کے واقعات کو وہ کہانی کے روپ میں ڈھالنے کے ہنر سے اچھی طرح واقف تھے۔ انہوں نے جس کامیابی کے ساتھ افسانے تخلیق کیے، اسی فنی چابکدستی کے سہارے ناول کی تکمیل میں مصروف رہے۔ ان کے اہم ناولوں میں رات چور اور چاند، ایک معمولی لڑکی، عورت اور آبشار، کالے کوس وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ویسے تو ان کے تقریباً تمام ناولوں نے ادب کے سنجیدہ حلقے کو خاطر خواہ متاثر کیا لیکن اظہار خیال کی سطح پر بلونت سنگھ سے ہمیشہ ہی بے اعتنائی برتی گئی۔ یہاں ہم ان کے مشہور ناول ”رات، چور اور چاند“ کے حوالے سے گفتگو کا سلسلہ جاری رکھیں گے جس کی اشاعت ۱۹۴۸ء میں ہوئی تھی۔ لیکن نصف صدی سے زائد کا عرصہ گزرنے کے بعد بھی اس کی اہمیت میں چنداں فرق نہیں آیا۔

'رات، چور اور چاند، سیلاب دل کی ایک ایسی کہانی ہے جس کا بہاؤ تمام تر دیواروں کو روندتا ہوا کناروں سے نکلنے کے لئے بے تاب دکھائی دیتا ہے۔ اس ناول کی کہانی پنجاب کے ایک گاؤں ڈنگا میں پروان چڑھتی ہے۔ اپنے حیرت انگیز اور ناخوشگوار خاتمے کی بنا پر یہ ہمیں اندر سے جھنجھوڑ کر رکھ دیتی ہے۔ یہ کہانی دراصل انسان کے اس ازلی جذبے سے شروع ہوتی ہے جسے عشق کہا جاتا ہے لیکن وہی عشق جو اپنے اندر معشوق کے لئے بے انتہا عقیدت، بے پناہ احترام اور پاکیزگی سمیٹے ہوتا ہے، ذرا سی گمرہی کے بعد ہوس میں تبدیل ہو جائے تو اس کا سارا وقار داغدار ہو جاتا ہے اور زندگی عجیب و غریب طریقے کے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتی ہے۔ عشقیہ جذبات کی یہ لہریں طمانیت کے ساحل سے ہمکنار نہیں ہوتیں

اور سخت چٹانوں سے ٹکراتی ہوئی یہ موجیں خود لہو لہان ہو کر بکھر جاتی ہیں انسانی زندگی کے اتار چڑھاؤ اور ہر لمحہ تبدیل ہونے والے مناظر پہ غور کیا جائے تو عشق اور ہوس کے درمیان بہت باریک سا فرق باقی رہ جاتا ہے۔ بالخصوص اس دوران جب کئی مرتبہ یہ امید بندھ جائے کہ ذہن کے حسین خواب عنقریب حقیقت میں تبدیل ہوں گے لیکن بعض وجوہات کے سبب عین موقع پر بات بگڑھ جائے تو ذہن و دل میں عجیب وغریب تشنگی کا احساس ہر لمحہ کچوکے لگاتا ہے۔ یہیں سے پاکیزگی اور احترام کی جگہ کچھ اور ہی قسم کے جذبات شامل ہونے لگتے ہیں جسے ہم پوری طرح ہوس تو نہیں کہہ سکتے لیکن وہ بے راہ روی کی ایسی منزل ہوتی ہے جہاں اضطراب کی لہر ضبط کی تمام ترحدوں کو عبور کر جاتی ہے۔ "رات، چور اور چاند" کی کہانی زندگی کے ایک عجیب پڑاؤ کا منظر پیش کرتی ہے۔ ایسا منظر جو تعجب خیز بھی نہیں۔ لیکن بہر حال ہماری آنکھوں کو بھلا دکھائی نہیں دیتا۔

"رات، چور اور چاند" کی کہانی پنجاب کے ایک چھوٹے سے گاؤں "ڈنگا" میں رہ رہے دو خاندانوں کی ایسی داستان ہے جو واقعی دل کو چھو لیتی ہے۔ پالا سنگھ عرف پالی اس ناول کا مرکزی کردار ہے۔ یہ کہانی پالی کے ناکام عشق پر ختم ہوتی ہے۔ وہ اپنی محبوبہ یعنی سرن کور عرف سرنوں کا جسم زبردستی حاصل کر لیتا ہے لیکن اس کے بعد وہ اپنی محبوبہ کی نظروں سے ہمیشہ کے لئے گر جاتا ہے۔ اس کے اندر سچا عاشق تو ہے لیکن کہیں نہ کہیں شیطان بھی سانس لیتا ہوا محسوس ہوتا ہے اور کہانی کے آخر میں سچا عاشق پس پشت جا پڑتا ہے۔ حیوانیت کے رقص میں سارے رشتے ناطے جل کر خاک ہو جاتے ہیں اور ہم یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ آخر اس کہانی میں کس کا المیہ بیان ہوا ہے۔ کبھی دھیان میں بات آتی ہے کہ کہانی کی ہیروئین سرنوں ہماری ہمدردی کی محتاج ہے۔ کبھی یہ خیال بھی گزرتا ہے کہ ہم اسے پالی کا المیہ کیوں نہ کہیں جو زندگی بھر اس آگ میں تڑپتا رہا کہ اس کے ذہن میں اٹھنے والی بے قرار موجوں کو کبھی کوئی کنارا ملے گا بھی یا نہیں؟

ایک طویل عرصے کے بعد پالا سنگھ کی گاؤں واپسی کے ساتھ ہی کہانی کا آغاز ہوتا ہے۔ پالا سنگھ جب نو دس سال کا تھا اسی دوران وہ گاؤں سے بھاگ کر کلکتہ چلا گیا تھا۔ کلکتہ میں اس نے تن تنہا دس سال کا عرصہ گزارا تو حالات کی ٹھوکروں نے اسے بہت کچھ سیکھنے

پر مجبور کر دیا۔ گرتے سنبھلتے آخر کار پالا سنگھ زمانے کے مطابق ڈھلتا چلا گیا اور بہت جلد لوٹ مار اور چوری چکاری کے کاموں میں استاد ہو گیا۔ ایک دو مرتبہ اسے جیل کی ہوا بھی کھانی پڑی۔ جیل کے تجربات نے اسے جرم کی دنیا میں مزید پختہ بنا دیا۔ جب سے پالا سنگھ گاؤں سے بھاگ کر کلکتے گیا۔ اس کی ماں سنداں کا روتے روتے برا حال ہو گیا۔ اپنے بچے کی جدائی اس کے لئے نا قابل برداشت ہو گئی۔ وہ پالی کے غم میں نڈھال ہو گئی اور ہر لمحہ اس کی آنکھیں پالی کے آنے کی راہ دیکھنے لگیں بعد میں پالا سنگھ جب کلکتے سے گاؤں میں خیریت کی چٹھی بھیجتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا لڑکا زندہ ہے۔ خط میں وہ بار بار تاکید کرتی ہے کہ پالی اب کسی طرح گاؤں واپس آجائے۔ مجبور ہو کر پالا سنگھ گاؤں آنے کا ارادہ کرتا ہے۔ جب وہ گاؤں واپس آتا ہے تو گاؤں کے مناظر دیکھ کر اس کے ذہن میں پرانی یادیں تازہ ہونے لگتی ہیں سب سے زیادہ اسے یاد آتی ہے سرنوں کی پتہ نہیں اب وہ کیسی لگتی ہو گی۔ بچپن میں تو بہت حسین تھی اور اس کے ساتھ خوب کھیلا کرتی تھی۔ اس کی شادی بھی تو ہو سکتی ہے۔ اس خیال کے آتے ہی پالا سنگھ کا دل اداس ہو گیا اور وہ دل ہی دل میں واۓ گرو سے دعائیں کرنے لگتا ہے کہ اس کا اندیشہ غلط ہو۔ وہ سرنوں سے ملنے کے لئے بے تاب ہے گھر پہنچنے پر پالا سنگھ کی ماں سنداں، بھابھی تاباں اور اس کا بڑا بھائی لہنا بہت جذباتی ہو جاتے ہیں۔ ایک طویل عرصے کے بعد پالی کو دیکھ کر سبھی کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔ پالا سنگھ اب گبرو جوان ہے اور اس کی شخصیت دیکھتے ہی بنتی ہے۔ اس کی ماں سنداں کے لئے تو جیسے زندگی اچانک مہربان ہو گئی اور سارے زمانے کی خوشیاں اس کے دامن میں اتر آئیں۔ پورے گاؤں میں اس نے خبر کر دی کہ اس کا بیٹا واپس آگیا ہے۔ اسے اس بات کی بہت خوشی ہے کہ پالا سنگھ اپنے باپ پر گیا ہے۔

پالا سنگھ کا باپ بھی ایسا ہی لمبا تڑنگا تھا اور گاؤں کے مشہور ڈاکوؤں میں سے ایک تھا۔ گاؤں میں اس کا خاص رعب اور دبدبہ تھا لیکن پولیس کے چنگل میں پھنس کر بالاآخر اسے پھانسی پر چڑھنا پڑا۔ جب پالا کا باپ زندہ تھا تو سنداں کے گھر میں کافی خوشحالی تھی۔ اس کی موت کے بعد سب کچھ بدل سا گیا لیکن اب سنداں کو امید ہے کہ سارا کچھ پہلے کی طرح لوٹ آئے گا۔ رفتہ رفتہ پالی گاؤں کا ہیرو بن جاتا ہے اور سبھی لوگ اس کے نزدیک آنے کی کوشش

اور خواہش کرتے ہیں لیکن پالا سنگھ کا دھیان صرف سرنوں کی طرف ہے۔ وہ سرنوں کے گھر جانے کا بہانہ ڈھونڈتا ہے۔ سرنوں کا باپ نرنجن سنگھ مالدار آدمی ہے۔ سرنوں کی ماں جنداں ایک بھلی عورت ہے۔ وہ اپنی لڑکی کے لئے ایک بھلا سا لڑکا اور اچھا گھرانا چاہتی ہے۔ اس کی لڑکی سرنوں بھی گاؤں کی تمام لڑکیوں میں سب سے زیادہ خوبصورت ہے۔ پالا سنگھ دو مرتبہ سرنوں کے گھر جاتا ہے وہاں اس کی بہت خاطر داری ہوتی ہے۔ سرنوں کو دیکھ کر پالی کے دل میں چھپی ہوئی محبت ابل پڑتی ہے لیکن وقت سے پہلے بات بگڑ نہ جائے وہ احتیاطاً ایسی ویسی کوئی حرکت نہیں کرتا۔ وہ اپنی بھابھی تاباں کو اپنا ہم راز بناتا ہے۔ اس کی بھابھی ہر طرح اس کی مدد کرتی ہے۔ وہ سرنوں کی سہیلیوں میں سے ایک ہے۔ اس کی بھی خواہش ہے کہ سرنوں اور پالا سنگھ کی شادی ہو جائے۔ دونوں طرف سے بات بنتی ہوئی دکھائی دیتی ہے کہ پرتھی پال سنگھ رکاوٹ بن کر سامنے آجاتا ہے۔

پرتھی پال سنگھ فوج میں لیفٹننٹ ہے اور اچھے کھاتے پیتے گھرانے کا ہے۔ سرنوں کے گھر بھی اس کا آنا جانا ہے۔ سرنوں کے گھر والے اس کے مرعوب دکھائی دیتے ہیں۔ وہ دیکھنے میں خوبصورت ہے۔ سبھی اس کی شخصیت سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ جلد ہی سرنوں کے دل میں بھی اس نے جگہ بنانی شروع کر دی ہے۔ جب پالا سنگھ کو اس بات کا احساس ہوتا ہے تو اسے بہت تکلیف ہوتی ہے۔ وہ سرنوں کو ہر حال میں اپنانا چاہتا ہے۔ گاؤں واپس آنے کے بعد پالا سنگھ نے سبھی کے دلوں میں ایک خاص جگہ بنائی ہے۔ سبھی اسے عزیز رکھتے ہیں لیکن پرتھی پال سنگھ کو لے کر اسے بہت پریشانی ہے۔ وہ اس کی راہ کا سب سے بڑا کانٹا ہے۔ لیکن پالا سنگھ کوئی بھی ایسا کام کرنا نہیں چاہتا کہ جس سے اس کی عزت پر آنچ آئے۔ اس کے باپ کے ڈاکو ساتھی جن میں جوالا سنگھ، سنتا سنگھ وغیرہ اہم ہیں اسے اپنے ساتھ رکھ کر لوٹ مار کے کاموں میں شریک رکھنا چاہتے ہیں لیکن وہ ان سے ذرا دور ہی رہتا ہے اور اگر ملنا بھی ہوتا ہے تو ایک خاص احتیاط سے ملتا ہے تاکہ کسی اور کو اس بات کا علم نہ ہو سکے۔ بعد میں جب پالا سنگھ کو یہ احساس ہوتا ہے کہ سرنوں کی ماں جنداں اپنی لڑکی کی شادی پیسے والے لڑکے سے کرنے گئی تو اس کے دل میں پیسہ کمانے کا خیال شدت اختیار کرنے لگتا ہے اور اس کے لئے سب سے آسان راستہ یہی ہے کہ جوالا سنگھ کے ساتھ ایک دو بڑے دھاوے۔

بولے جائیں اور پھر ساری زندگی عیش کی جائے۔ اس پروگرام میں وہ پوری طرح ملوث ہو جاتا ہے اور گھر والوں کے بچ کر اس کام کو انجام دینے میں مصروف ہو جاتا ہے۔

اسی دوران سرنوں سے پریتھی پال سنگھ کے عشق کے چرچے عام ہونے لگتے ہیں۔ گاؤں میں رفتہ رفتہ بات پھیلنے لگتی ہے۔ پریتھی پال کی ایک چٹھی کسی طرح سرنوں کے ماں کے ہاتھ لگ جاتی ہے۔ اس کے بعد تو گھر میں کہرام مچ جاتا ہے اس کی ماں جنداں اسے بہت مارتی ہے کہ اس نے خاندان کی عزت خاک میں ملادی۔ اس کا باپ نرنجن سنگھ بہت غصے میں اپنی لڑکی کو روئی کی طرح دھن دیتا ہے لیکن آخر کار ماں باپ یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ سرنوں کی شادی اگر اسی پریتھی پال سے کر دی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اسی دوران سرنوں کی سہیلی 'رکھی' پریتھی پال سنگھ اور سرنوں کو ملوانے کا انتظام کرتی ہے۔ ملن کے دوران جب اپنے عاشق سے یہ تقاضہ کرتی ہے کہ وہ اسے بھگا کر لے جائے تو پریتھی پال اپنے وعدے سے مکر جاتا ہے۔ بعد میں اس کے گھر والے بھی شادی سے انکار کر دیتے ہیں۔ اس سانحہ کے بعد سرنوں بری طرح ٹوٹ جاتی ہے۔ جس کے لئے اس نے دنیا بھر کی بدنامی مول لی آخر کار اس نے بھی اسے چھوڑ دیا۔ یہ غم اس کے لئے ناقابل برداشت ہو جاتا ہے۔

سرنوں کے ماں باپ اس کی شادی ایک چالیس سالہ رنڈوا حولدار سے کرنا چاہتے ہیں۔ شادی کی تیاریاں ہونے لگتی ہیں۔ اسی دوران پالا سنگھ اپنی مہم سے واپس لوٹتا ہے۔ اسے اپنے مقصد میں کامیابی نہیں ملتی ہے۔ لوٹ مار میں اس کے دو ساتھی بھی مارے جاتے ہیں۔ وہ خود کسی طرح بچ نکلنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ جب گاؤں پہنچ کر وہ سرنوں کی شادی کی خبر سنتا ہے تو اس کے بدن میں آگ لگ جاتی ہے۔ ہر طرف سے ملنے والی ناکامی اسے توڑ کر رکھ دیتی ہے۔ پریتھی پال کے کارناموں سے واقف ہوتے ہی اس کا خون کھول اٹھتا ہے۔ پریتھی پال کی وجہ سے اس کی دنیا ویران ہونے کو ہے۔ پھر بھی وہ سرنوں کے گھر جاتا ہے۔ اسے اب بھی امید ہے کہ شاید کسی طرح بات بن جائے لیکن جب بات نہیں بنتی اور سرنوں شادی کے بعد وداع ہو کر اپنے شوہر کے ساتھ چلی جاتی ہے تو وہ اس سارے بکھیڑے کے ذمے دار پریتھی پال سے بدلہ لینے کے لئے ایک مرتبہ رات میں اس پر جان لیوا حملہ کرتا ہے لیکن پریتھی پال کسی طرح بچ جاتا ہے۔ پالا سنگھ کو بھی پریتھی پال کے لوگ بری طرح پیٹتے ہیں اور

یہ خبر گشت کرنے لگتی ہے کہ وہ مار دیا گیا ہے۔ اس خبر کو سنتے ہی اس کے ڈاکو چاچاؤں کی فوج پرتھی پال کے گھر پر حملہ کرتی ہے کہ وہ اور زبردست خون خرابے کے بعد آخر کار پالا سنگھ ادھ مرے حالت میں مل جاتا ہے۔ اس کا علاج ہوتا ہے اور وہ جلد ہی ٹھیک ہو جاتا ہے۔ بعد میں کئی لوگوں کے ساتھ اسے ڈیڑھ سال کے لئے قید بامشقت ہوتی ہے۔

جب وہ جیل سے باہر آتا ہے تو اچانک اس کو سرنوں کا خیال آتا ہے۔ وہ اب بھی اس سے ملنے کے لئے بے تاب ہے۔ سرنوں شہر میں جہاں اپنے شوہر کے ساتھ کوارٹر میں رہ رہی ہے اس کا نمبر بھی اسے اچھی طرح معلوم ہے اور وہ تلاش کرتے کرتے آخر کار سرنوں کے یہاں پہنچ جاتا ہے۔ سرنوں اسے دیکھ کر بہت خوش ہوتی ہے۔ اسے یقین ہی نہیں آتا کہ پالا سنگھ سے اس طرح ملاقات ہوگی۔ اب وہ پہلے سے زیادہ خوبصورت ہو گئی ہے اور ایک بچے کی ماں ہے۔ اسے یہ بھی معلوم ہے کہ پرتھی پال کو مارنے کے الزام میں پالا سنگھ جیل کی سزائیں کاٹ چکا ہے۔ باتوں باتوں میں وہ گاؤں کے تمام لوگوں کے متعلق پوچھتی ہے۔ پالا سنگھ خوشگوار موڈ میں اسے سب کچھ بتاتا ہے۔ سرنوں اس کی بہت خاطر داری کرتی ہے۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد زندگی کے گزشتہ ایام کے متعلق گفتگو ہونے لگتی ہے۔ سرنوں کا شوہر گھر میں نہیں ہے۔ بچہ گہری نیند میں سو رہا ہے۔ باتوں ہی باتوں میں جذبات سے مغلوب ہو کر پالا سنگھ بہکنے لگتا ہے۔ اس کی خواہش ہوتی ہے کہ سرنوں اسے اب بھی مل جائے تو جیسے دنیا کی تمام دولت حاصل ہو جائے گی۔ اسی دوران سرنوں اچھی طرح ج دھج کر آتی ہے تو پالا سنگھ کے دل میں سویا ہوا شیطان جاگ اٹھتا ہے اور وہ کسی طرح سرنوں کے وصل کی طلب میں پاگل ہونے لگتا ہے۔ سرنوں اس ارادے سے قطعی انجان ہے۔ وہ اس حرکت کے لئے بالکل تیار نہیں۔ وہ پوری قوت کے ساتھ اپنا دفاع کرتی ہے۔ لیکن بالآخر پالا سنگھ سرنوں کو دبوچ کر اپنی ہوس کا نشانہ بنانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ اس حادثے کے بعد سرنوں بالکل بے حس اور مردہ ہو جاتی ہے۔

یہ کہانی ہمیں ہر قدم پر اپنے ساتھ جذباتی بہاؤ میں شامل رکھتی ہے۔ بظاہر کہانی میں کوئی خاص تنوع نہیں ہے لیکن زبان اور اسلوب کی سطح پر ہم اس کے سحر سے آزاد نہیں ہو پاتے۔ اس کے علاوہ اختتام اتنا افسوس ناک لیکن عین فطری ہے کہ ہم اپنے آپ کو اس

کرب سے آزاد نہیں کرپاتے۔ بلونت سنگھ کی تحریروں میں رومان نگاری کلیدی حیثیت رکھتی ہے لیکن سنجیدگی سے غور کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے یہاں رومان کی سطح ابھری نہیں ہے بلکہ پس پردہ زندگی کے گہرے اسرار و رموز بیان ہوتے چلے جاتے ہیں۔ ناول کی اس سیدھی سادی لیکن بہ باطن پیچیدہ کہانی کو اگر محض رومان نگاری کے حوالے سے پرکھا جائے تو یہ بلونت سنگھ کے ساتھ زیادتی ہوگی کیوں کہ ان کا فن محض رومان نگاری کا فن نہیں ہے بلکہ رومان ان کے یہاں زندگی کا ایک ایسا استعارہ ہے جو امنگوں اور خواہشوں کو گویائی عطا کرتا ہے۔ جس کے سبب زندگی زیادہ واضح طریقے سے نکھر کر ہمارے سامنے آتی ہے۔ یہ رومان ایک طرف جہاں زندگی کی نوید لے کر آتا ہے وہیں دوسری طرف خواب کے ریزہ ریزہ ہونے کا باعث بھی ہوتا ہے۔ بلونت سنگھ نے تہہ دار رومانیت کے سہارے زندگی کے سنگین مسائل کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ گوپی چند نارنگ کے الفاظ میں :

> ”بلونت سنگھ کے یہاں کردار فقط کردار نہیں، یا واقعات فقط واقعات نہیں بلکہ سب کچھ اس وسیع منظرنامے پر تشکیل پاتا ہے جس کو ثقافتی جغرافیہ کہنا چاہیے۔“

بلونت سنگھ کی تفہیم میں اس ثقافتی جغرافیے کی بنیادی اہمیت ہے۔ ”رات، چور اور چاند“ میں بھی یہ ثقافتی جغرافیہ فنی چابکدستی کے ساتھ نکھر کر سامنے آیا ہے۔ اس ناول میں بھی قصباتی زندگی کی فضا اپنی بھرپور تازگی اور توانائی کے ساتھ اجاگر ہوتی ہے۔ اپنی دھرتی سے انہیں ایک خاص لگاؤ ہے۔ مٹی کی سوندھی سوندھی خوشبو ان کے اسلوب سے پھوٹتی ہے۔ ایک طویل عرصے کے بعد پالا سنگھ جب اپنے گاؤں واپس لوٹتا ہے تو گاؤں کی فضا پوری طرح اس کے حواس پر قابض ہو جاتی ہے۔ بلونت سنگھ اس منظر کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں۔

> ”سورج غروب ہو رہا تھا اور چند ہلکی ہلکی سرخ بدلیوں کو چیر کر آسمان کے دوسرے سرے تک پہنچتی ہوئی کرنیں یوں دکھائی دیتی تھیں جیسے کوئی ڈوبتا ہوا شخص سہارے کے لئے بازو پھیلا دے۔ کھیتوں میں اگے ہوئے پودے ساکت کھڑے تھے۔ بل کھاتی ہوئی پگڈنڈیاں جیسے دھوپ کی

> تمازت سہہ سہہ کر نڈھال ہو چکی تھیں۔ درختوں کے سائے مضحکہ خیز حد تک طویل ہو گئے تھے۔۔۔ طویل عرصے کے بعد ایک مرتبہ پھر اسے اپنا گاؤں دکھائی دینے لگا تھا۔۔۔ وہ پتھر کے مجسمے کی طرح جامد کھڑا تھا۔ اس کے لٹھ کی برنجی شام رخصت ہوتی ہوئی دھوپ میں جگمگا اٹھی۔ "!!
>
> ("رات، چور اور چاند" ص ۵)

اس اقتباس سے بلونت سنگھ کی تحریروں میں بیان کی سحر انگیزی اور فطری بہاؤ کا اندازہ بخوبی ہو جاتا ہے۔ کھیت کھلیان کی رونق ان کے یہاں شباب پر نظر آتی ہے۔ اس ناول میں بھی یہ حسن قدم قدم پر دیکھنے کو ملتا ہے۔ سرسوں کے پھول نگاہوں کو خیرہ کرتے ہیں اور ان کی سگندھ نتھنوں سے ہو کر دل میں سما جاتی ہے۔ قصباتی زندگی کا طور طریقہ رمزیت اور تہہ داری کے ساتھ بیان ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس زندگی میں رہن سہن کی جو انفرادیت ہے وہ بھی تمام خوبیوں اور خامیوں کے ساتھ واضح ہوتی چلی جاتی ہے :

> "یہ باغیچی گاؤں سے تقریباً ایک فرلانگ کے فاصلے پر تھی۔ اسے گاؤں کا کلب گھر سمجھنا چاہیئے۔ گرمی کے دنوں میں دوپہر کے وقت لوگ کھانا وانا کھا کر اپنی اپنی چارپائیاں اٹھائے آرام اور تفریح کی غرض سے یہاں آن پہنچتے یہاں سب کے سب مرد بلا تخصیص آسکتے تھے لیکن عورتیں دکھائی نہیں دیتی تھیں۔ عورتوں کے لئے یہ جگہ موزوں بھی نہیں تھی۔ اس جگہ مرد اپنے دل کے بخار بلا جھجھک نکالتے۔ مردانہ باتیں مردانہ گالیاں، مردانہ کھیل اور مردانہ تفریحیں ہوتی تھیں۔ بالکل از کار رفتہ بوڑھے، جن کے منہ میں دانت، نہ پیٹ میں آنت بھی، اگر کچھ نہیں تو اپنی اپنی کھاٹوں پر لیٹے لیٹے دوسرے کی چٹخارے دار باتوں سے لطف اندوز ہوتے۔ "(۸۴)

قصباتی زندگی کے اس بیان سے پورا ماحول ہماری نگاہوں کے آگے متحرک ہو اٹھتا ہے۔ بلونت سنگھ کے یہاں بیانیہ کی خاصیت عروج پر دکھائی دیتی ہے۔ کہانی پڑھنے کے دوران یوں محسوس ہوتا ہے کہ ایک ہمدرد خلوت میں بیٹھا اپنے راز میں ہمیں شریک کرتا جارہا ہے۔ کہانی میں بیان کئے گئے واقعات ہمیں اپنی زندگی کا حصہ معلوم ہوتے ہیں۔ جو ٹریٹ منٹ اور اپروچ کی سطح پر تخلیق کار کی مہارت اور پختگی کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔

پوجا پاٹھ، شبد کیرتن وغیرہ قصباتی زندگی میں ایک مخصوص فضا کی تشکیل کرتے ہیں۔ جنہیں نظر انداز کر کے اس ماحول کا تصور ممکن ہی نہیں۔ بلونت سنگھ کی تحریروں میں میلے ٹھیلے کی گہما گہمی کا حقیقی روپ دیکھنے کو ملتا ہے۔ یہ گہما گہمی ہنگامے کو جنم دیتی ہے لیکن اس ہنگامے میں دیرینہ جذبات شامل ہوتے ہیں۔ جو ذہن و دل کو ہر رسم میں تر و تازہ رکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ "رات چور اور چاند" میں بھی یہ خاصیت قدم قدم پر دیکھنے کو ملتی ہے۔ مذہبی رسومات سے متعلق یہ اقتباس:

> "اکال تخت پر پہنچ کر وہ بھیڑ میں گھس گئے۔ یہاں سکھ گوروؤں اور بزرگوں کے ہتھیاروں کی نمائش کی جاتی تھی۔ پالی کھسک کر گروہ سے علاحدہ ہوا اور ذرا پرے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ آخر ہتھیاروں کی نمائش شروع ہوئی۔ ایک لمبا چوڑا سکھ جس کی لہراتی ہوئی سیاہ داڑھی اس کی ناف تک پہنچتی تھی، زمین سے بالشت بھر اونچے تخت پوش پر کھڑا ہو گیا۔ ایک شخص کوئی ہتھیار جھاڑن سے پونچھ کر اس کی طرف بڑھاتا۔ وہ اسے ہوا میں لے کر کہتا:
>
> "یہ سری صاحب (تلوار) سری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج کی ہے۔"
>
> "یہ اٹھارہ سیر پکا کھنڈا سری گورہر ہند صاحب جی مہاراج کا ہے۔"
>
> "یہ تیر دسمیں پتا سری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج کے ہیں۔

> دیکھئے اس کے پچھلے کونے پر سونا لگا ہوا ہے۔ یہ اس لئے لگایا گیا تھا کہ جو شخص حضور کے تیر کا نشانہ بن، ے اس سونے کی قیمت سے اس کے کفن دفن کا انتظام ہو سکے۔" (۲۱۹)

ان باتوں سے مخصوص علاقے کی زندگی کا پورا منظر نامہ نظروں کے سامنے آجاتا ہے۔ بلونت سنگھ نے جزئیات نگاری پر خاص توجہ مرکوز کی ہے۔ جس کی بنا پر حقیقت ایک نئے تناظر میں جلوہ کشا ہوتی ہے اور آگہی کے نئے منظر نامے روشن ہونے لگتے ہیں۔ تیج تہواروں کی رونقوں سے انہوں نے دل کے ویرانے آباد کرنے کا کام لیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امنگوں سے سرشار ذہن خواہش کی وادیوں میں قلانچیں بھرنے لگتا ہے۔ ان کی تحریروں میں سنگیت کی لے دل کے خاموش تاروں کو چھیڑنے میں مصروف دکھائی دیتی ہے۔ رسمیں، عقیدے وغیرہ خوبصورتی کے ساتھ اظہار کے فطری بہاؤ میں ڈھل جاتے ہیں:

> "غرض دیوالی سے دو روز پہلے خوب چہل پہل نظر آنے لگی۔ آخر دیوالی کے روز لوگ باگ تیار ہو کر منہ اندھیرے ہی ناشتہ کر کے اسٹیشن کی طرف چل دیئے۔ گاؤں کے قریب تو انہوں نے اسٹیشن بننے ہی نہ دیا تھا۔ اب کوسوں دور اسٹیشن تھا۔ مرد یا تو پیدل چلتے یا گھوڑا، اونٹ، گاڑی وغیرہ استعمال کرتے۔ گاؤں کے چھوٹے سے قافلے میں چھکڑے ہی شامل تھے۔ گھوڑیاں، سانڈنیاں اور ریڑھیاں وغیرہ ہر قسم کی سواریاں موجود تھیں۔ بعض من چلے پیدل ہی لپکے جا رہے تھے۔"

اس طرح اپنی مٹی اور اس سے متعلق پوری تہذیب، ثقافت کے بنیادی عناصر کے ساتھ بلونت سنگھ کی تحریروں میں ڈھلتی چلی جاتی ہے اور زندگی کا ایک وسیع منظر نامہ تشکیل پاتا ہے جس میں ہم اپنے آس پاس کی زندگی کو حقیقی روپ میں متحرک دیکھتے ہیں۔ بلونت سنگھ کی تحریروں میں یہ پوری سائیکی، یہ پوری ثقافت بھرپور طریقے سے اجاگر ہوتی ہے۔ "رات چور اور چاند" میں بھی اس پوری فضا کو انہوں نے کامیابی کے ساتھ سمیٹا ہے۔

اس ناول میں بلونت سنگھ کا قلم جابجا بدن کی جمالیات بیان کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے لیکن بنیادی بات یہ ہے کہ یہ سب کچھ انہوں نے محض تفریح طبع کے لئے نہیں کیا ہے بلکہ واقعات کا اتار چڑھاؤ انہیں جمالیات کی اس جھلک کے لئے مجبور کرتا ہے۔

> "اب سرنوں قمیض اتارنے کے لئے نیچے بیٹھ گئی۔ آستینوں سے بازو نکالی۔ اس نے قمیض کو دو پلوؤں سے پکڑ کر جو اوپر کھینچا تو پہلے قمیض کی کمر کا تنگ حصہ اس کی چھاتیوں پر پھنس گیا اور پھر اوپر سے رکھی نے ہاتھ بڑھا کر اسے کھینچنے میں جو مدد کی تو اس کشمکش میں نہ سرنوں اور نہ رکھی کو اس بات کا علم ہوا کہ کب ایک تہ شدہ کاغذ جو اس کے دونوں پستانوں کے بیچ پھنسا ہوا تھا، کھسک کر نیچے جا پڑا۔" (ص ۲۷۷)

یہی وہ کاغذ ہے جو سرنوں کی زندگی میں طوفان کھڑا کر دیتا ہے۔ اب تک پرتھی پال سے اس کی محبت کا سلسلہ خاموشی کے ساتھ جاری تھا لیکن اس خط کے بعد اس کی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے اور ناول کی کہانی زبردست اتار چڑھاؤ سے دوچار ہوتی ہے۔ بہر حال باب بدن کی چند سطریں مزید ملاحظہ ہوں:

> "وہ اس کے بدن پر دہی ملتی رہی۔ سرنوں کو اپنے بدن سے تپش نکلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ رکھی کی دہی والی ملائم اور نازک انگلیوں کے لمس سے سرنوں کو بدن کے حساس حصوں پر عجیب راحت اور لذت انگیز گدگداہٹ محسوس ہوتی تو اس کی آنکھوں میں نمی سی آجاتی اور بدن کسمسا کر رہ جاتا۔"

"رات، چور اور چاند" کی کہانی میں محبت اور نفرت کے متعدد شیڈس اجاگر ہوتے ہیں۔ محبت انسان کے لئے قدرت کا سب سے حسین تحفہ ہے، جہاں کسی کو پانے کی تمنا زندگی کو جلا بخشتی ہے۔ کسی کو حاصل کرنے کی طلب ضبط کی تمام تر حدوں کو توڑ ڈالتی ہے۔

> "پالی نے محسوس کیا کہ وہ اس وقت اس قسم کی حرکت پر آمادہ

> نہیں تھی لیکن وہ اب خطرناک حد تک قریب لے آیا تھا۔ اس
> کی رنگین قمیض کے اوپر کے دو کھلے ہوئے بٹنوں کی وجہ سے
> اس کی نرم گردن کی اجلی جلد قمیض کے کپڑوں کے ہلکے
> رنگین سائے میں گھل مل کر اور بھی زیادہ دلفریب ہو گئی
> تھی۔ اس کی چھاتیوں کا نچلا حصہ پسینے کی وجہ سے قمیض سے
> چپک گیا تھا اور وہ متناسب گولائیاں اور بھی نمایاں ہو گئی
> تھیں۔ جذبات کے ہیجان میں سرنوں زیر لب بے ترتیب
> الفاظ سے احتجاج کر رہی تھی۔ پالی کی عقل کہتی تھی کہ اسے
> یہ حرکت نہیں کرنی چاہئے لیکن اب جبکہ وہ اپنے سینے پر
> سرنوں کی سخت چھاتیوں کے لمس سے گویا مسحور ہو چکا تھا
> اس کے لئے پیچھے قدم ہٹانا ناممکن تھا۔۔۔!" (ص ۱۳۵)

یہ الگ بات ہے کہ اس مرحلے پر نہ چاہتے ہوئے بھی پالا سنگھ کو قدم پیچھے ہٹانا پڑا اور ایک نامعلوم سا کھٹکا سنائی دینے پر اس کے بازو فوراً ڈھیلے پڑ گئے اور آنکھ جھپکتے میں سرنوں اس کی گرفت سے باہر نکل گئی لیکن یہ کسک اسے ہر لمحہ پریشان کرتی اور وہ چاہتا کہ سرنوں کو کسی طرح حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ ناول کے آخر میں اس کا موقع بھی پالا سنگھ کو مل جاتا ہے اور وہ برسوں کی اپنی خواہش کو عملی جامہ پہنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتا۔ حالاں کہ اس کی گزشتہ خواہشوں میں سرنوں کے تعلق سے پاکیزگی اور احترام کا جذبہ شامل ہوتا ہے لیکن آخر میں ان کی خواہش بھوک اور ہوس میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

> "سرنوں اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس نے اپنے بدن کی عریانی کی اب
> بھی کوئی پرواہ نہیں کی۔ اس کے جسم کو اس حالت میں دیکھ
> کر پالی کو کراہت محسوس ہونے لگی۔۔۔ صحن میں پہنچ کر
> آنکھوں سے قہر برساتے ہوئے وہ غرائی۔۔۔ میں تم سے
> نفرت کرتی ہوں۔۔۔ سمجھے؟ میں تمہیں آوارہ کتے سے بھی
> بدتر سمجھتی ہوں۔ میں تمہیں سدا سے نفرت کرتی ہوں۔

لیکن مجھ پر اس نفرت کا راز آج کھلا ہے۔ جا ذلیل۔۔۔
کمینہ۔۔۔ لفنگا۔۔۔!!" (ص ۴۰۱)

پالا سنگھ کو دروازہ سے نکال باہر کرنے کے بعد سرنوں آہنی دروازہ بند کر کے کنڈی چڑھاتی ہے اور خود دھم سے دروازے پر گرنے کے بعد بچے کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتی ہے۔

واقعی محبت اگر بے راہ روی کا شکار ہو جائے تو پھر پاکیزہ جذبے ہوس میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ محبت کا شیرازہ بکھر جاتا ہے اور زندگی اعتبار کی دولت سے محروم ہو کر درد کے صحرا میں بھٹکتی پھرتی ہے۔

اینٹی ہیرو کی امیج کو بلونت سنگھ نے اس وقت (۱۹۴۸) میں کامیابی کے ساتھ پیش کیا جب روایتی لیک سے ہٹ کر کہانیاں لکھنے کا رواج عام نہیں ہو پایا تھا۔ اس حد تک، موضوع کے اعتبار سے بھی رات چور اور چاند" کی اپنی انفرادیت ہے۔ زبان وبیان کے معاملے میں بلونت سنگھ کو غضب کا ملکہ حاصل تھا۔ اس ناول کے ہر صفحہ پر اس کی مثالیں موجود ہیں۔ ٹریٹ منٹ اور اپروچ کی سطح پر بھی یہ ناول ہمیں متاثر کرتا ہے۔ تایا ہر پرساد، کرم دین وغیرہ نے گاؤں کے بزرگوں کا کردار اچھی طرح ادا کیا ہے۔ جوالا سنگھ اور ڈاکوؤں کی جماعت سے کہانی میں حرکت پیدا ہوتی ہے۔ چنو (بظاہر جوالا سنگھ کی بہن لیکن بہ باطن اس کی رکھیل) کا کردار بھی اہم ہے۔ سرنوں کی سہیلی رکھی کہانی کے بکھرے ہوئے تار و پود کو جوڑنے میں کامیاب ہے۔ مٹی سے جڑی ایسی کہانیاں ہمیں ہر موڑ پر زندگی کی تلخ حقیقتوں کا احساس کراتی رہیں گی۔

حمید سہروردی کی شخصیت کا ایک نیا پہلو
شش جہت آگ (شاعری)
قیمت :-/150 روپے
پتہ : اقدار، 22، غالب اپارٹمنٹس، پیتم پورہ، دہلی۔ 110034

سہ ماہی

اقدار

زندگی آمیز و زندگی آموز ادب کا نمائندہ

(ادبی کتابی سلسلہ)

نگراں

محمد حسن

ادارت

علی جاوید

مشاورت

سید شمیم کاظم

سید محمد عقیل

عتیق اللہ

ترتیب

شاہد پرویز

تنظیم

پروین فاطمہ

رائٹرز گلڈ (انڈیا) لمیٹڈ، ۲۲/ غالب اپارٹمنٹس، پیتم پورہ۔ دہلی۔ ۱۱۰۰۳۴

rekhta

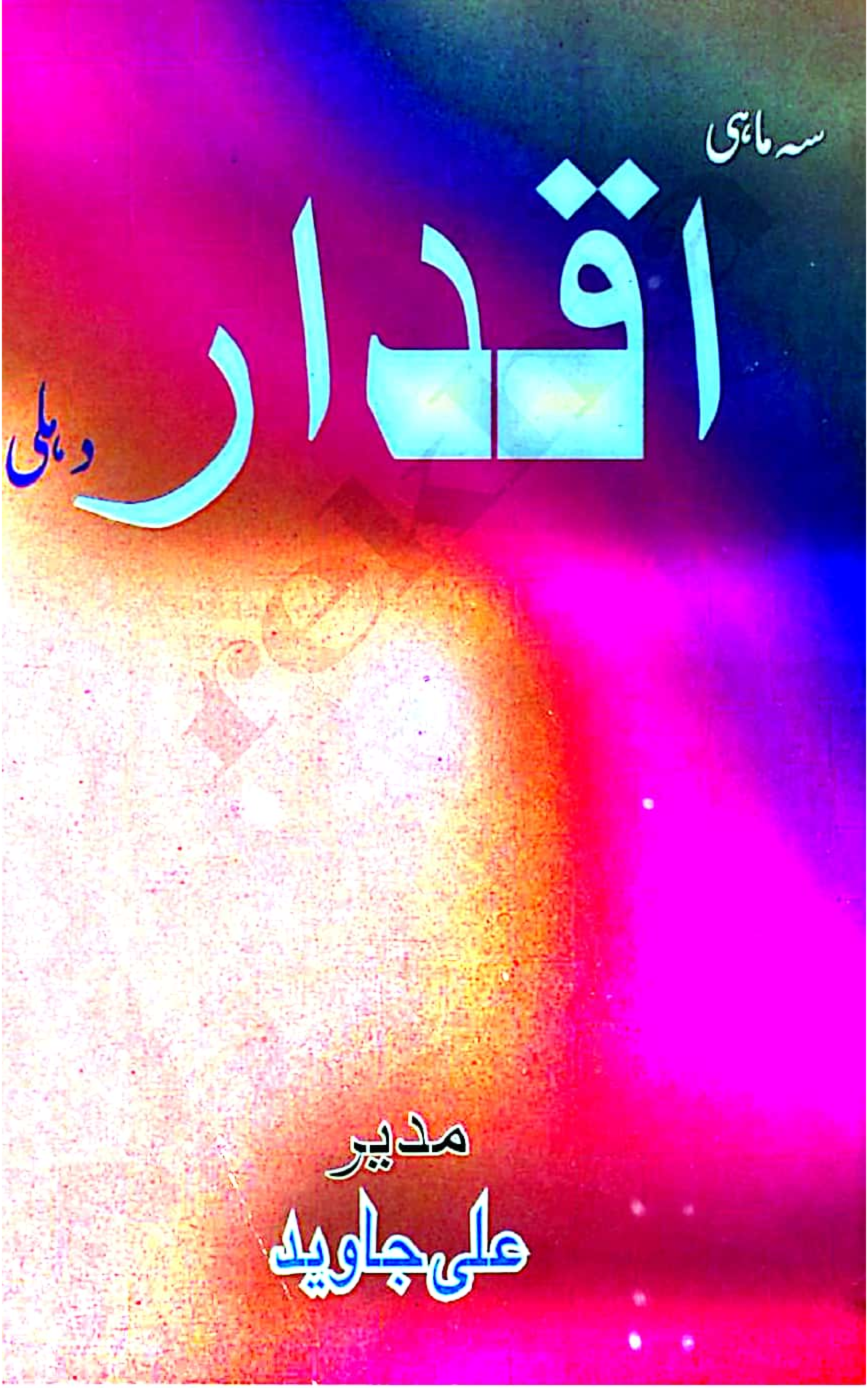

سہ ماہی

اقدار

دہلی

مدیر

علی جاوید